انتخاب واقتباس

کیا "چار دیواری" قید خانہ ہے؟ [۱]

مظہر علی ادیب - ایم اے اسلامیات

(۱)

حال ہی میں صدر ضیاء نے ایک مقامی کالج کی تقریبِ تقسیمِ اسناد کے موقع پر مہمان خصوصی کی حیثیت سے تقریر کرتے ہوئے کہا۔ "اسلام عورت کو چار دیواری میں قید رکھنے کے حق میں ہرگز نہیں، بلکہ عورت کو معاشرے کا فعال رکن ہونا چاہیے ــــ اسی لیے ماضی میں عورتیں میدانِ جنگ میں مردوں کے شانہ بہ شانہ شریک ہوئیں۔"

صدر ضیاء نے اپنی اولین ریڈیائی تقریر میں اپنے آئندہ عزائم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا: "چادر اور چار دیواری کا تحفظ کیا جائے گا" حیرانی ہے کہ وہی صدر ضیاء آج دس سال کے بعد گھر کی "چار دیواری" کو "قید خانے" سے تعبیر کر رہے ہیں اور وہ بھی اسلام کے حوالے سے! صرف دو ماہ قبل صدر صاحب نے ایک سرکاری "خواتین سیرت کانفرنس" سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا "معاشرہ خاندان کے گرد گھومتا ہے اور خاندان عورت کے گرد گھومتا ہے۔" اب صدر صاحب

---

[۱] محترمی برادرم مظہر ادیب صاحب کی اس تحریر میں کمالِ اجمال کے ساتھ ماڈرن خواتین کے بلند کردہ نعروں کو مغربی تمدن و معاشرت کے واقعاتی احوال کی روشنی میں دکھایا گیا ہے ــ بے اختیار جی چاہا کہ ترجمان القرآن کے قارئین، خصوصاً خواتین اور طالبات ان معلومات سے ضرور آگاہ ہو جائیں۔ (ادارہ)

"گھریلو اور خاندان کی محور عورت" معاشرے کا فعال رکن ہی تصور نہیں کرتے! یہ ایک ہی سانس میں دو متضاد باتیں کیوں ؟

یہ کہ عورت کا اصل مقام اس کا گھر ہے، کسی انسان کا نہیں، خود خدا کا پیش کردہ تصور ہے۔ قرآنِ حکیم کی سورۃ الاحزاب (۳۳) میں اللہ تعالیٰ کا صاف اور واضح ارشاد ہے۔ "اپنے گھروں میں وقار کے ساتھ جمی بیٹھی رہو اور اگلے زمانہ جاہلیت کے سے" بناؤ سنگھار نہ دکھاتی پھرو"۔ سورۃ النحل (۸۰) میں فرمایا۔" اللہ نے تمہارے لیے تمہارے گھروں کو جائے سکون بنایا"۔ اسی طرح حضور اکرمؐ کا ارشاد ہے" (حضرت عائشہؓ سے خطاب کرتے ہوئے) تم اپنے گھر میں جمی رہو کیونکہ یہی تمہارا جہاد ہے" (مسند احمد۔ جلد ۶ ص ۶۸)۔" عورت پوشیدہ رکھی جانے والی مخلوق ہے جب وہ گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی طرف جھانکتا ہے" (ترمذی۔ باب الرضاع) حضرت عمرؓ کا قول ہے۔" عورت پوشیدہ رکھی جانے والی مخلوق ہے، لہٰذا تم اس کو گھروں میں چھپاؤ"۔ (عیون الاخبار جلد ۴ صفحہ ۷۸)۔ حضرت عائشہؓ کے جنگِ جمل میں شرکت کرنے کے موقع پر حضرت اُمِّ سلمہؓ نے انہیں ایک خط لکھا۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

"آپؓ کی حیثیت رسول اللہؐ اور اُمت کے درمیان ایک دروازے کی ہے اور آپؓ کا حجاب گویا اس پر حرمت کا پردہ ہے۔ اللہ نے آپؓ کو گھر میں بٹھایا ہے۔ پس گھر کو چھوڑ کر میدانِ جنگ میں نہ چلی آیئے..... آپؓ حضورؐ کے قائم کردہ پردے کو اپنا ستر اور گھر کے صحن کو اپنا قلعہ بنائیں۔ آپؓ حقیقت میں اُمت کی خیر خواہ اُسی وقت ہوں گی جب کہ آپؓ ان کی مدد کے لیے میدان میں جانے کے بجائے گھر میں رہیں"۔ (العقد الفرید جلد ۳ ص ۹۷۔ الامۃ والسیاستہ جلد ۲ ص ۵۷)۔

علامہ اقبالؒ کا قول ہے!" عورت کا جنسی تقدس اس امر کا متقاضی ہے کہ اُسے اجنبی نگاہوں سے ہر طرح محفوظ رکھا جائے۔ عورت ایک بہت ہی عظیم ذریعہ تخلیق ہے اور یہ حقیقت ہے کہ دُنیا کی تخلیقی قوتیں مستور و محجوب ہیں"۔ (مضمون شائع شدہ اورپول پوسٹ لندن ۱۹۳۳ء)۔ جرمن مصنف ریچرڈ گرن برگر" نازی جرمنی کی سوشل تاریخ" میں لکھتے ہیں۔ عورتوں کے لیے اس دور کا نعرہ بچے، چرچ اور باورچی خانہ تھا۔ ہٹلر کے دور میں یہ نعرہ "عورت کا اصل مقام اس کا گھر ہے"

زیادہ شدت سے گونجنے لگا۔ ہٹلر کا کہنا تھا کہ ہم نے عورتوں کو پبلک لائف سے جو علیحدہ کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ان کو عزت کا مقام دینا چاہتے ہیں۔ یہ بات نہیں کہ ہم ان کی عزت نہیں کرتے، بلکہ چونکہ ہم اُن کی بہت زیادہ عزت کرتے ہیں اس لیے ہم اُن کو پارلیمانی جمہوریت کی گندگی سے الگ رکھنا چاہتے ہیں۔ روس کے شہرہ آفاق مفکر طالستائی اپنی کتاب "کم الیبق" میں لکھتے ہیں: "عورت کا زیور اس کی پاکدامنی ہے اور پاک دامن وہ عورت ہوسکتی ہے جو گھر کی چاردیواری میں رہتی ہو"۔ لنڈبرگ اور فارنہم اپنی تصنیف "ماڈرن ویمن" میں لکھتے ہیں۔ اعداد و شمار یہ واضح کرتے ہیں کہ مرد کی کام کرنے کی طاقت اور قابلیت ۳۰ سے ۶۰ فیصد تک بڑھ جاتی ہے۔ جب اس کی بیوی اس کا گھر سنبھال لیتی ہے"۔ علامہ ابن الہمام (فتح القدیر جلد ۳ ص ۳۳) فرماتے ہیں "گھر سے باہر بہت زیادہ (عورتوں کی) آمد و رفت رکھنا فتنے کے دروازے کو کھولنا ہے خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ وہ نوجوان ہو......." اسلام نے عورت کی گھریلو ذمہ داریوں یا اس کی اندرونِ خانہ مصروفیات کا یہاں تک احترام کیا ہے کہ اُسے جہاد، اجتماعی عبادات جنازوں میں شرکت وغیرہ کے فرائض سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ قاضی ایک باپردہ عورت کو عدالت میں نہیں بلا سکتا۔ قاضی اس خاتون کے گھر جا کر فیصلہ کرے گا یا نائب کو بھیج کر اس کے گھر پہ ہی فیصلہ کروا لے گا۔ (الماوردی ادب القاضی ۲، ۲۵ ۳) "حضرت عمرؓ کے دور میں ایک لڑکی نے اپنے ساتھ زیادتی کرنے والے نوجوان کو قتل کر دیا تھا تو حضرت عمرؓ اس لڑکی کے گھر خود گئے اور اس کے حالات پوچھے۔

دورِ اوّل میں چند خواتین کی جنگوں میں شرکت کسی اُصول کے تحت نہیں تھی، بلکہ ہنگامی ضرورت اور حربی، سیاسی و ملی مصالح کی بنیاد پر تھی۔ نیز اس وقت تک ستر و حجاب کی تفصیلی آیات نازل نہیں ہوئی تھیں۔ مزید برآں یہ شرکت ہمیشہ اپنے قریبی عزیز و اقارب کے ساتھ ہوا کرتی تھی اور عموماً ان کا دائرہ عمل بھی انہی تک محدود رہتا تھا۔ (شرح مسلم، جلد ۲ ص ۱۱۴)

جب ہنگامی ضرورت اور خصوصی مصلحتیں ختم ہوگئیں تو ان "چند خواتین" کو بھی واپس "گھر" بھیج دیا گیا اور اگر کوئی خاتون بضد ہوتی تو حضور اکرمؐ اس پہ ناراض ہوتے اور پوچھتے "تم کس کے ساتھ گھر سے نکلیں اور کس کی اجازت سے نکلیں" (مسند احمد جلد ۵ ص ۲۷۱)۔ خواتین کی جنگوں میں شرکت ایک استثنائی

شکل ہے، اگر آج بھی ایسی ضرورت پیش آجائے تو وہ شریک ہوسکتی ہیں۔ لیکن جوں ہی یہ "ضرورت" ختم ہوگی خواتین کو اپنے اصلی محاذ "گھر" پر واپس جانا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کو "گھر" میں وقار سے "جمے" رہنے کا حکم دیا، اس نے اس حکم کو توڑا۔ اللہ تعالیٰ نے "گھر" کو "جائے سکون" بنایا، عورت نے گھر کو "قید خانہ" سمجھا اور "سکون" کی خاطر اس سے باہر نکل آئی۔ لیکن اس "حکم عدولی" اور "غلط تصور" کے بڑے ہولناک نتائج نکلے۔

۱۔ اپنی عصمت جیسی انمول دولت گنوا بیٹھی۔ کنزے انسٹی ٹیوٹ آف سیکس ریسرچ کے مطابق ہر دسویں امریکن عورت بن بیاہی ماں ہے۔ برطانیہ میں ۱۹۸۱ء میں ایک لاکھ باسٹھ ہزار ۴۵ عورتوں نے اسقاط حمل گرایا۔ (امروز ۲۴ جنوری ۱۹۸۵ء) ڈاکٹر آئی اے سکاٹ میڈیکل آفیسر لندن کے مطابق "لندن میں ہر دسواں بچہ ناجائز پیدا ہوتا ہے۔" فادر پیڈروایروپ نے رائٹر ایجنسی کو ایک بیان میں بتایا "جاپان میں ناجائز حمل گرانے کے ذریعے جو معصوم لوگ ہلاک ہوئے ان کی تعداد ہیروشیما پر گرائے جانے والے ایٹم بم کے نتیجے میں مرنے والے بے گناہ لوگوں سے زیادہ ہے۔

۲۔ بچوں کو اپنی مامتا سے محروم کر کے انہیں پاگل بنا دیا۔ صرف امریکہ میں ایسے بچوں کی تعداد اپنا ذہنی توازن کھو چکے ہیں چار کروڑ ہے۔ (برٹش میڈیکل جرنل مارچ ۱۹۴۲ء) ماں کی تربیت سے محروم بچے حد درجہ آوارہ نشیات کے عادی اور اخلاقیات سے بالکل عاری اٹھ رہے ہیں۔ ہر سال قتل و غارت، اغوا، جسمانی مارپیٹ، ڈاکہ، راہ زنی، دھوکہ دہی اور کار چرانے کے جرائم میں بالترتیب ایک دو چار پانچ، تین چھ اور سات فیصد کا اضافہ ہو رہا ہے۔ خود عورت بھی ان شرمناک جرائم میں ملوث ہے اور آوارہ لڑکیوں کے لیے علیحدہ جیل خانے تعمیر کیے جا رہے ہیں۔

۳۔ گھر سے باہر غیر فطری کاموں میں الجھنے کی وجہ سے خود عورت بیمار ہے۔ چھاتی کے سرطان سے صرف چین میں ڈیڑھ منٹ کے بعد ہر چھٹی عورت موت کی نیند سو جاتی ہے۔ "دکھی گھرانہ" شمارہ جنوری امراض خبیثہ وبائی صورت اختیار کر چکے ہیں۔

۴۔ ازدواجی زندگی میں عدم استحکام، مغربی ممالک میں ہر تیسری شادی کا انجام طلاق ہوتا ہے۔ ازدواجی زندگی باہمی اعتماد، خلوص اور محبت سے عاری ہے۔ آپس میں مارپیٹ کے واقعات بڑھ رہے ہیں۔ (دی نیشن لاہور جنوری ۔۔ء)۔ گھر میں کوئی دیکھ بھال کرنے والا

نہ ہونے کی وجہ سے بوڑھے والدین "اولڈ ہومز" میں پڑے ہوئے ہیں اور قریبی عزیز و اقارب میں سے کوئی ان کا پرسانِ حال نہیں ہے۔ غرض زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں عورت کے گھر کو خیرباد کہنے اور بیرونِ خانہ سرگرمیوں میں شرکت کے باعث بگاڑ نہ پیدا ہوا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی ممالک میں "خواتین واپس گھر جائیں" کی مہم پورے زور شور سے شروع ہو چکی ہے۔ بعض ممالک میں شادی کے بعد عورت کی ملازمت پر پابندی لگائی جا رہی ہے اور انہیں باور کرایا جا رہا ہے کہ جوتے، کپڑے یا پستول بنانے والے کارخانوں سے کہیں زیادہ "کارخانہ" (یعنی گھر) اہم ہے، جو انسان بناتا ہے۔ حد یہ ہے کہ بے خدا روس کے رہنما گورباچوف بھی اب یہ کہنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ "خواتین کو اپنی خاندانی ذمہ داریاں سنبھالنی چاہئیں۔ اور "مرد جنگ کی آگ" اور "عورتیں باورچی خانے کی آگ" جلانے کی زیادہ اہل ہیں (کتاب وومن اِن "جھنگ" ۱۸ نومبر ۸۷ء)۔

حقیقت یہ ہے کہ عورت خود طبعاً کئی کئی دنوں سے لے کر کئی کئی مہینوں تک پابند خانہ رہنے پر مجبور رہے۔ گھر کی چار دیواری عورت کے لیے "قید خانہ" نہیں ہے، اس کے سچے آرام و آسائش کی مقدس جگہ ہے۔ یہی گھر کی "چار دیواری" اس کی عزت و ناموس کی محافظ ہے۔ اس کی عصمت و عفت کی پناہ گاہ ہے۔ اس کی نسوانیت و نسائیت کی پاسبان ہے۔ اس کی عظمت و توقیر کی نگران ہے۔ اس کی فطری آرزوؤں اور تمناؤں کی تکمیل کا مرکز ہے۔ "گھر" ایک ایسا ادارہ ہے کہ جس کی دعوت نہ صرف بنیاد فراہم کرتی ہے، بلکہ اس کی آئندہ تعمیر و ترقی کی بھی وہی ذمہ دار ہے۔ "گھر" سے خاندان، "خاندان" سے معاشرہ اور معاشرے سے ریاست وجود میں آتی ہے۔ "گھر" کی مضبوطی خاندان کی مضبوطی ہے اور خاندان کی مضبوطی معاشرے اور ریاست کا استحکام ہے۔ عورت جب "گھر" کو چھوڑتی ہے اور اس کی مقدس چار دیواری کو پھلانگتی ہے تو یہ "ادارہ" ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے اور نتیجۃً سارے معاشرے اور ساری ریاست میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ وہ چند ابدی اٹل حقیقتیں ہیں کہ جنہیں کسی بادشاہ کے کہنے پر یا چند عورتوں کے ان کے برعکس نعرہ بازیوں اور ڈھو سے بدلا نہیں جا سکتا۔ انجام کار ان حقیقتوں کے تسلیم کرنے ہی میں پوری انسانیت کی فلاح و کامرانی مضمر ہے۔

---

(۲)

نوری محفل ــــ تعارف اور طریق کار

جناب میمونہ بھٹہ - الجامعۃ المحمدیہ - سٹیلائیٹ ٹاؤن - راولپنڈی

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (القرآن)

موجودہ دور مادی ترقی کا دور ہے جس نے انسانی خواہشات و جذبات کو بے لگام کر دیا ہے۔ چنانچہ معاشرے کا ہر فرد حصولِ زر اور معیارِ زندگی کی بلندی کے لیے اپنی زندگی کی جملہ توانائیوں کا سارا رس نچوڑ دینے کے لیے بے قرار ہے۔ مرد تو مرد عورتیں بھی اس دوڑ میں پیچھے رہنا گوارا نہیں کرتیں۔ اس طرزِ فکر کا نتیجہ یہ برآمد ہوا ہے کہ بچوں کی تربیت کے اہم اور مقدس فریضے کی بجا آوری میں مجرمانہ غفلت برتی جانے لگی ہے اور انہیں تعلیمی اداروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ جبکہ یہ ادارے (سرکاری، غیر سرکاری امراء کے لیے پبلک سکولز، غیر ملکی اور مشنری ادارے، اردو میڈیم اور انگلش میڈیم) ملتِ اسلامیہ کی نوخیز کلیوں کے قلوب میں فکری و عملی انتشار، طبقاتی منافرت اور دین و تہذیبِ اسلامی سے نفرت و بیزاری کا زہریلا بیج بونے میں (شعوری یا غیر شعوری طور پر) کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے۔

دوسری طرف ہماری مساجد دعوت و تبلیغِ دین کے نام پر مذہبی گروہ بندیوں اور مسلمانوں کی تکفیر کی گرم بازاریوں کے اکھاڑے بنتی جا رہی ہیں۔ عامۃ الناس معاشی مسائل و ضروریات کے گھن چکر میں گرفتار ہیں اور انہیں اتنی فرصت ہی نہیں کہ وہ اس طوفانِ بلاخیز کی تباہ کاریوں کا تصور کر سکیں اور اس سے نجات حاصل کرنے کی فکر کریں۔ دینی مدارس میں عام طور پر ان بچوں کا داخلہ ہوتا ہے، جو وسائل سے محرومی کے باعث رائج الوقت تعلیمی نظام میں جگہ نہیں پاتے۔ اس لیے ان کا احساسِ محرومی انہیں مختلف نفسیاتی عوارض میں مبتلا کر دیتا ہے۔ پھر ان مدارس کا نصاب (سوائے قرآن و حدیث کے جس کی مقدار ابتدائی درجوں میں نہ ہونے کے برابر ہے) عصری ضروریات پوری کرنے کی صلاحیت سے عاری ہے اور طریقۂ تعلیم میں بھی جدید تحقیقات سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ طلبہ اور اساتذہ کے لیے قیام و طعام اور دیگر مراعات اور سہولیات بھی ہرگز قابلِ رشک نہیں۔ جدید عالمی تحریکات، غیر مسلموں کے ہتھکنڈوں اور سادہ لوح انسانوں بالخصوص مسلمانوں کو دینِ متین سے برگشتہ خاطر کرنے کے لیے مکارانہ

حیلوں سے یہ قطعی نا واقف ہیں ۔ اس لیے اصلاحِ احوال ان کے بس کا روگ نہیں ۔

اُمید کا آخری سہارا حکومت، جو اسلام کے نام پہ متمکن ہوتی تھی، ہو سکتا تھا ۔ لیکن شریعت کے نفاذ میں مجرمانہ غفلت، مخلوط نظامِ تعلیم کو جاری رکھنے پر اصرار اور خواتین یونیورسٹی کے قیام کو (واضح وعدوں کے باوجود) ہر حال میں روکنا، ریڈیو، ٹیلی ویژن، اخبارات و رسائل الغرض جملہ ذرائع ابلاغ کو نہایت ڈھٹائی کے ساتھ بے حیائی اور فحاشی کے فروغ کے لیے آلہ کار بنانا، ایسے اقدام ہیں جن کی موجودگی میں حکومت سے خیر کی کوئی توقع نہیں کی جا سکتی ۔

ان ہوشربا حالات میں ہر حساس مسلمان مرد و زن کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ملتِ اسلامیہ کی اس تہذیبی نیا کو ڈوبنے سے بچانے کے لیے اپنا سا زور لگائے ۔ چنانچہ ہم نے ایک محدود دائرے میں اللہ کا نام لے کر **نوری محفل** کا آغاز کر دیا ہے تاکہ چھوٹے بچوں کی ایک جماعت منظم کر کے اسلامی عقائد و اخلاق ان کے دل و دماغ میں راسخ کیے جائیں اور ابتدا ہی سے انہیں اسلامی زندگی کا خوگر بنایا جائے اور موجودہ ہمہ جہت دینی و اخلاقی زوال آشنا معاشرے کی تباہ کاریوں سے انہیں بچانے کی ہر ممکن کوشش کی جائے تاکہ یہ معدودے چند بچے اور بچیاں مستقبل کی اُمیدوں کا سہارا بنیں ۔

اس مقصد کے حصول کے لیے تقریباً ایک سال قبل جامعہ محمدیہ ایف بلاک مارکیٹ سٹیلائٹ ٹاؤن راولپنڈی سے متصل مکان کے ایک کمرے میں چند بچوں کو جمع کر کے محترمہ عامرہ احسان صاحبہ کی زیر سرپرستی پہلا اجلاس کیا گیا ۔ ایک سال کے اندر اندر بفضلہٖ تعالیٰ راولپنڈی اور اسلام آباد میں نوری محفل کی مزید چند شاخیں قائم ہو چکی ہیں ۔ نوری محفل میں شریک ہر بچہ ہفتہ وار اجتماع کے لیے قرآن مجید کی چند آیتیں، ایک حدیث پاک یا صرف ترجمہ اور کچھ بچے حمد و نعت اور منتخب کلام یاد کر کے لاتے ہیں ۔ درسِ قرآن و حدیث کا اہتمام کیا جاتا ہے ۔ مسنون دعائیں دہرائی جاتی ہیں اور اجتماعی مطالعہ کرنے کی تربیت دی جاتی ہے ۔ اس سے دینی سرگرمیوں کے لیے ذوقِ عمل پیدا ہو رہا ہے اور یہ بچے کھیل کود میں بھی اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ اپنی محفل کے بچوں کے ساتھ کھیلیں جس سے ان کے اندر تنظیمی احساس مستحکم ہو رہا ہے ۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ملک بھر میں تحریکی گھروں اور حلقوں میں یہ کارِ خیر شروع کیا جائے ۔